پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کا مسئلہ

(افکارِ قائدؒ کی روشنی میں)

ڈاکٹر شہزاد اقبال شام*

پاکستان کے متعلق قائدِ اعظم کی تقاریر، تحریروں، خطوط، بیانات، انٹرویو یا ان کے اظہارِ بیان کے کسی بھی ذریعے کا جائزہ لیا جائے تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ وہ پاکستان کو اسلام کے لیے ایک ایسی سرزمین کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے جو دنیا کے دوسرے لوگوں کے لیے ایک مثالی نمونہ ہو اور جس سے لوگ روشنی حاصل کریں۔ پاکستان کے بارے میں ان کا یہ تصور ان کی پوری زندگی میں یکساں تسلسل سے ملتا ہے۔ جنوری ۱۹۳۸ء میں گیا (بہار) مسلم لیگ کی کانفرنس میں اپنے خطاب میں انہوں نے مسلم لیگ کے پرچم کو اسلام کا پرچم قرار دیا (This flag is the flage of Islam) (1)۔ انہوں نے مزید کہا:

> ''اسلام ہمیں ایک مکمل ضابطہ حیات مرحمت کرتا ہے۔ یہ محض ایک مذہب نہیں بلکہ یہ قوانین، فکر و فلسفہ اور سیاسیات پر مشتمل ہے۔ فی الحقیقت یہ ہر اس شے پر مشتمل ہے جو صبح سے لے کر رات تک انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔''

شمال مغربی سرحدی صوبے کی مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے انہیں کوئی پیغام دینے کے لیے کہا تو ان کا جواب تھا:

> ''میں آپ کو کیا پیغام دے سکتا ہوں؟ اپنے لیے راہنمائی اور بصیرت حاصل کرنے کے لیے ہم نے قرآن سے ایک عظیم ترین پیغام حاصل کیا ہے۔..... آیئے! ہم اپنی بہترین صلاحیتیں صحیح سمت میں استعمال کریں۔ آیئے! ہم اپنی ذاتی دلچسپیوں اور خواہشات کو اپنے لوگوں کی اجتماعی بھلائی اور ایک اعلیٰ اور مقدس مقصد کی خاطر فراموش کر دیں۔ یہی پاکستان کے پیش نظر ہے۔ بشرطیکہ ہم متحد اور منظم ہو کر جمع ہو جائیں اور اپنے مقصد سے ہماری لگن ہو تو ہماری وہ منزل دور نہیں کہ جب ہم اپنا مقصد حاصل کر لیں گے اور اپنے آپ کو اپنے حیرت انگیز اور تابناک ماضی کے حسب حال ثابت کریں گے'' (۲)

جب ہم قائدِ اعظم کی زندگی پر نظر دوڑاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کے برعکس ان کی زندگی میں سید میر حسن جیسا کوئی استاد ہے، نہ ہی ان کی عمومی تعلیم کا رخ بظاہر اسلامی قانون یا شریعت کی طرف تھا۔ اس کے باوجود جب ان کی زندگی کا معروضی مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام اور اسلامی قانون کے متعلق ان کی سوچ، فکر یا عمل کبھی کسی کجی کا شکار نہیں رہا۔ وہ ایک اعلیٰ پائے کے قانون دان تھے، ان کی زندگی قانون کے مطالعے سے عبارت تھی۔ قانون کی اعلیٰ تعلیم انہوں نے برطانیہ کی

* اسسٹنٹ پروفیسر، شریعہ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، پاکستان۔

یونیورسٹی لنکن اِن (Lincoln's Inn) سے حاصل کی تھی(۳)۔قانون کی تعلیم کے لیے برطانیہ میں تین دیگر درس گاہیں موجود تھیں لیکن ان کے مادرِ علمی کے اس انتخاب کا سبب یہ تھا کہ اس کے صدر دروازے پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا کے عظیم ترین شارحین میں سے ایک کے طور پر لکھا ہوا تھا(۴)۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے شخصی قانون، وقف علی الاولاد پر مباحثہ ہوا تو انہوں نے مولانا شبلی نعمانی اور ندوۃ العلماء کے دیگر علماء کے مشورے سے اپنی رائے تشکیل دی اور امپیریل لجسلیٹو کونسل میں تقریر کرتے ہوئے مولانا شبلی نعمانی کا تذکرہ نہایت اچھے الفاظ میں کیا۔گورنر جنرل کی حیثیت میں انہوں نے امریکی عوام سے ریڈیو خطاب کے ذریعے واضح کیا کہ ''مجھے معلوم نہیں کہ پاکستان کے دستور کی حتمی شکل کیا رخ اختیار کر رہی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ اسلام کے اہم اصولوں پر مبنی جمہوری نوعیت کا ہوگا۔آج یہ اصول حقیقی زندگی میں اسی طرح لاگو ہوتے ہیں جس طرح یہ تیرہ سو سال پہلے تھے۔اسلام اور اس کے تصور نے ہمیں جمہوریت کا سبق دیا ہے۔''(۵)۔

ایک نظریہ حیات کے طور پر اسلام کے متعلق قائداعظم محمد علی جناح کے افکار و نظریات اس کثرت اور تسلسل سے چھپ چکے ہیں کہ ان کے بارے میں عام آدمی تک کو علم ہے۔قائداعظم پاکستان کو ایک ایسی مملکت کے طور پر دیکھنے کے خواہشمند تھے جس میں اسلامی نظام حیات اپنی عملی شکل میں ریاستی سطح پر برگ و بار لاتا دکھائی دے۔قائداعظم کے جملہ فرامین اسی ایک نکتے کے آس پاس ملتے ہیں۔وہ لوگ جو پاکستان کو ایک لادینی ریاست دیکھنے کے خواہشمند ہیں، ان کے پاس اس حوالے سے کہنے کو کچھ زیادہ مواد نہیں ہے۔بڑی حد تک اس فکر کے لوگ قائداعظم کی اس تقریر پر انحصار کرتے ہیں جو انہوں نے دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں پہلی مرتبہ کی تھی۔

دستور ساز اسمبلی میں محولہ بالا تقریر میں قائدِ اعظم نے اپنے جمہوری مزاج کے عین مطابق اپنی اس معذوری کا اظہار کیا کہ وہ نہیں جانتے کہ اس دستور کی حتمی شکل کیسی ہوگی۔لیکن اور موقع پر انہوں نے واضح کر دیا کہ انہیں یقین ہے کہ یہ دستور اس جمہوری اسلوب پر ہوگا کہ اس میں اسلام کے بنیادی اصول موجود ہوں گے کیونکہ عہد حاضر میں یہ اصول اسی طرح قابل نفاذ ہیں جس طرح تیرہ سو سال قبل تھے۔اسلام اور اس کے تصورات نے ہمیں جمہوریت کا سبق دیا ہے۔ہم انہی تابناک روایات کے امین ہیں اور پاکستان کے آئندہ دستور ساز کی حیثیت سے ہمارے اندر اس کے لیے ضروری احساس ذمہ داری موجود ہے(۶)۔

قائدِ اعظم کی تقریروں سے یہ وہ چند اقتباسات ہیں جن کا تعلق کسی حد تک ان کے ذاتی میلانات سے یقیناً ہے لیکن بڑی حد تک یہ تمام حوالے ان کے تصورِ پاکستان کے متعلق ہیں کہ وہ پاکستان کو کس شکل کی ریاست دیکھنا چاہتے تھے۔پاکستان کے

لیے کیا دستوری نقشہ ان کے ذہن میں تھا۔ اسلام کے متعلق کیا ان کے تصورات اسے محض مذہب سمجھنے کی حد تک تھے جیسے کئی لوگوں کے ہیں' یا وہ اسلام کا کوئی خاص تصور رکھتے تھے۔ قائدِ اعظم کی تقریروں کے یہ حوالے واضح کرتے ہیں کہ وہ پاکستان کو ایک اسلامی مملکت کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کی زندگی میں ایسے درجنوں مواقع آئے جن میں انہوں نے اسلام' اسلامی تعلیمات' قرآن' مسلمانوں کے تابناک ماضی اور تاریخ اسلام کے بارے میں نہایت عمدہ خیالات کا اظہار کیا۔ لیکن تعجب ہے کہ قائداعظم سے لادینی تصورات منسوب کرنے والے اس تمام مواد کو مطلقاً نظر انداز کر کے دستور ساز اسمبلی میں اُن کی گیارہ اگست ۱۹۴۷ء والی تقریر ہی کو اپنی خواہشات کا محور بناتے ہیں۔

قائدِ اعظم اسلام کے معاشی نظام کو مملکت پاکستان میں کلی اعتبار سے نافذ دیکھنا چاہتے تھے۔ اجمالاً اس کا اظہار انہوں نے اپنی کئی تقریروں میں کیا لیکن اپنی سرکاری حیثیت میں پہلی مرتبہ انہوں نے یہ بات ۱۹۴۸ء میں اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی افتتاحی تقریب کے موقع پر کہی۔ پروفیسر شریف المجاہد کے الفاظ میں ''اسلامی معیشت کے حق میں یہ سب سے پہلی آواز تھی (۷)۔''

یہ وہ موقع تھا کہ جب قائدِ اعظم سیاسی انداز کی تقریر بھی کر سکتے تھے۔ کیونکہ ایسے عالم میں روایتی سیاستدان روایتی انداز کی تقریر کرتے ہیں جس میں عوام کی توجہ مسائل سے ہٹا کر نعروں کی طرف مبذول کرا دی جاتی ہے۔ قائدِ اعظم یہ کام کر سکتے تھے۔ وہ اس موقع پر لگے بندھے انداز میں غریبوں کی فلاح و بہبود کے لیے پالیسیاں تیار کرنے پر زور دے سکتے تھے۔ وہ ملک سے غربت کے خاتمے والی پالیسیاں تیار کرنے کو بھی کہہ سکتے تھے۔ ریاست کی معاشی و اقتصادی حالت درست کرنے کے یہی وہ ابتدائی ایام ہوتے ہیں جب قبلہ متعین کیا جاتا ہے' یا لوگوں کی توجہ مسائل سے ہٹائی جاتی ہے۔

اس موقع پر قائدِ اعظم نے جو تقریر کی اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی تقریر میں کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے معلوم ہو کہ وہ مسائل سے واقف نہیں ہیں' یا ان سے توجہ ہٹانا چاہتے ہیں۔ اس کی بجائے انہوں نے زور دے کر کہا کہ وہ اسٹیٹ بینک کے تحقیق کے کام پر گہری دلچسپی کے ساتھ نظر رکھیں گے کہ بینک اپنی کاروباری سرگرمیوں میں اسلامی تصورات اور اس کے سماجی اور اقتصادی طرزِ عمل کا کس قدر خیال رکھتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ''مغرب کے معاشی نظام نے انسانیت کے لیے ایسے مسائل پیدا کر دیئے ہیں جو ناقابل حل ہیں۔ دنیا جس تباہی کا سامنا کر رہی ہے' اس سے کوئی معجزہ ہی اب اسے بچا سکتا ہے۔ انسان کا انسان کے لیے عدل ختم ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تکنیکی اور صنعتی کارکردگی کے باوجود دنیا اس انتہا پر جا کر الجھ چکی ہے' تاریخ میں جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس لیے ہمیں اپنی راہ عمل لازماً خود متعین کرنا چاہیے اور برابری کے عالمگیر اسلامی تصور اور سماجی عدل کے صحیح اسلامی تصور پر مبنی ایک معاشی نظام دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ یوں ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم اپنی ذمہ داری پوری کریں گے۔ اور دنیا کو امن کا ایسا پیغام دیں گے کہ صرف اسی سے بنی نوع انسان کی فلاح' مسرت' خوشحالی اور امن کا تحفظ ہو سکتا ہے'' (۸)۔

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قائدِ اعظم کو اللہ تعالیٰ کچھ اور زندگی دیتے تو اس مملکت کا دستور اور اقتصادی نقشہ کن خطوط پر

ہوتا۔ آج دنیا عالم گیریت کے جو نتائج بھگت رہی ہے' قائدِ اعظم نے اس کی منظر کشی نصف صدی قبل کر دی تھی۔ فی الحقیقت یہ مملکت اس خلا ہی کو پُر کرنے کے لیے قائم کی گئی تھی۔

دستور ساز اسمبلی میں قائد اعظم کی ایک مشہورِ زمانہ تقریر:

پاکستان کے جن اہل علم وفکر کا خیال ہے کہ قائدِ اعظم کے پیش نظر ایک جدید قومی' جمہوری اور سیکولر ریاست تھی نہ کہ مذہب پر قائم ہونے والی ریاست، اس کی تائید میں وہ قائدِ اعظم کی اس مشہور تقریر کا حوالہ دیتے ہیں جو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں ان کی پہلی تقریر تھی۔ یہ تقریر یوں تو ایک عام تقریر ہے لیکن اس مکتبہ فکر کے خیال میں اس تقریر میں پاکستان کی سیکولر دستوری بنیادوں کا سراغ ملتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس تقریر کا تفصیلی انداز میں جائزہ لیا جائے۔ قائدِ اعظم کی اس تقریر کے ایک طویل اقتباس کا ترجمہ یہ ہے:

> ''اگر آپ باہم تعاون سے کام کریں گے' ماضی کو بھول کر اختلافات ترک کر دیں گے تو آپ لازماً کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر آپ اپنے ماضی کو بدلیں گے اور اس اسپرٹ میں متحد ہو کر کام کریں گے کہ آپ میں سے ہر ایک خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو' خواہ ماضی میں اس کے تعلقات آپ کے ساتھ کیسے ہی رہے ہوں' خواہ اس کا رنگ' اس کی ذات اور اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو' اول' دوم اور آخر اس مملکت کا شہری ہے' جس کے حقوق و فرائض بالکل مساوی ہیں' تو آپ کے عروج و ترقی کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔ میں اس معاملے پر انتہائی زور دینا چاہتا ہوں۔ ہمیں اس اسپرٹ میں کام شروع کر دینا چاہیے۔ کچھ مدت میں اکثریت اور اقلیت اور ہندو قوم اور مسلم قوم کی یہ تمام بدنمائیاں غائب ہو جائیں گی۔ کیونکہ مسلمان ہونے کی حیثیت میں بھی آپ کے ہاں پٹھان' پنجابی' شیعہ' سنی وغیرہ موجود ہیں اور ہندوؤں میں بھی برہمن' وشنو' کھشتری' اور پھر بنگالی' مدراسی وغیرہ ہیں۔ اگر مجھ سے پوچھیں تو میں یہ کہوں گا کہ یہ چیز ہندوستان کی آزادی و خود مختاری کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ رہی ہے۔ اگر ایسے نہ ہوتا تو ہم مدتوں پہلے آزاد ہو چکے ہوتے۔ دنیا کی کوئی طاقت کسی قوم کو خصوصاً چالیس کروڑ نفوس کی قوم کو اپنا محکوم نہیں رکھ سکتی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو کوئی آپ کو مفتوح نہ کر سکتا اور اگر کر بھی لیتا تو زیادہ مدت تک آپ پر اپنا تسلط قائم نہ رکھ سکتا' لہٰذا اس سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیے۔ آپ آزاد ہیں۔ اس مملکت پاکستان میں آپ اپنے مندروں میں آزادانہ جا سکتے ہیں اور مساجد اور دوسری عبادت گاہوں میں بھی جانے میں آزاد ہیں۔ آپ کا مذہب' آپ کی ذات، آپ کا عقیدہ کچھ بھی ہو' کاروبار مملکت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ جانتے ہیں اور تاریخ بھی شاہد ہے کہ کچھ مدت پیشتر انگلستان کے حالات آج کل کے ہندوستان کے

حالات سے بدتر تھے۔ رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ ایک دوسرے کو ایذا پہنچانے میں مصروف تھے۔ آج بھی بعض ایسی مملکتیں موجود ہیں جن میں ایک خاص طبقے کے خلاف امتیازات اور قیود عائد کی جا رہی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم ایسے ایام میں اپنی مملکت کا آغاز نہیں کر رہے ہیں۔ ہمارا آغاز ایسے ایام میں ہو رہا ہے جب ایک قوم اور دوسری قوم' ایک ذات اور مسلک اور دوسری ذات اور مسلک کے درمیان کوئی فرق و امتیاز نہیں رہا۔ ہم اس بنیادی اصول کی بنا پر آغاز کار کر رہے ہیں کہ ہم تمام اس مملکت کے مساوی شہری ہیں..... میرے نزدیک اب ہمیں اسی نصب العین کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد نہ ہندو' ہندو رہیں گے نہ مسلمان' مسلمان رہیں گے۔ مذہبی معنوں میں نہیں کیونکہ وہ تو ہر فرد کا ذاتی عقیدہ ہے بلکہ سیاسی معنوں میں سب ایک مملکت کے شہری ہوں گے'' (۹)

تنقید و تبصرے اور تجزیے کے لیے بالعموم اسی حصے کو لے لیا جاتا ہے اور اس کے سیاق و سباق کو نظر انداز کر دیا جانا اب عام روایت بن گئی ہے۔ اس حصے کو اسلامی ریاست کے حق میں استعمال کرنے والے اور اس کے برعکس نقطہ نظر رکھنے والے۔ موافق اور مخالف۔ دونوں کی تحریروں میں یہ بات مشترک ہے کہ ملک کو سیکولر ریاست قرار دینے والے بھی اس کے متنی تجزیے کا سہارا لیتے ہیں اور اس کی حمایت میں لکھنے والے بھی متن ہی کا تجزیاتی مطالعہ کرتے ہیں۔ دونوں نقطہ ہائے نظر بالعموم طلاقتِ لسانی اور کمزور استدلال کا سہارا لیتے ہیں۔ جو لوگ ملک کو مذہب یا اسلام کے اصولوں پر قائم ریاست دیکھنا پسند نہیں کرتے' وہ تقریر کے اس حصے کو اپنے انداز میں بیان کرتے ہیں۔ یہ مشق عشروں سے جاری ہے لیکن بخوف طوالت اس نقطہ نظر کی صرف ایک نمائندہ تحریر ملاحظہ ہو۔ یہ تحریر فسادات پنجاب (۱۹۵۳ء) کے بعد جسٹس محمد منیر کی سربراہی میں قائم تحقیقاتی عدالت کی پیش کردہ رپورٹ سے لی گئی۔ یہ تحریر نہ صرف اس وقت کے مملکتی ملازمین (Servants of the State) کی ایک نمائندہ تحریر ہے بلکہ ان بہت سے دیگر اصحاب فکر کی نمائندگی بھی کرتی ہے جو پاکستان کو سیکولر ریاست دیکھنا چاہتے ہیں:

''قائداعظم پاکستان کے بانی تھے اور جس موقع پر انہوں نے یہ تقریر کی' وہ تاریخ پاکستان کا پہلا سنگ میل تھا۔ اس تقریر کے مخاطب اپنی مملکت کے مسلم و غیر مسلم باشندے بھی تھے اور اہل عالم بھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جس نصب العین کے حصول کی خاطر نئی مملکت اپنی تمام طاقتوں کو وقف کرنے والی تھی' اس کو نہایت واضح طور پر معین کر دیا جائے۔ اس تقریر میں بار بار ماضی کی تلخیوں کا ذکر کر کے یہ اپیل کی گئی کہ ماضی کو بدل دو اور جنگ و پیکار کو دفن کر دو۔ قائدِ اعظم کے نزدیک اس مملکت کے آئندہ شہری کو بلا امتیاز رنگ و نسل اور بلا لحاظ مذہب و ملت برابر کے حقوق اور رعایات حاصل ہوں گے اور اس پر برابر کے فرائض عائد ہوں گے۔ اس تقریر میں لفظ ''قوم'' کو بار بار دہرایا گیا اور بیان کیا گیا کہ مذہب [قائدِ اعظم کی تقریر میں

لفظ creed استعمال کیا گیا تھا جو اعتقاد یا داخلی ایمان وایقان کا ہم معنی ہے نہ کہ مذہب Religion کا] کو کاروبار مملکت سے کوئی تعلق نہیں اور وہ صرف فرد کے ذاتی ایقان وایمان کا معاملہ ہے'' (۱۰)

قائدِ اعظم کی اس تقریر پر تفصیلی گفتگو تو آئندہ سطور میں کی جائے گی لیکن فاضل عدالت کا یہ کہنا کہ ''جس موقع پر انہوں [قائدِ اعظم] نے یہ تقریر کی وہ تاریخ پاکستان کا سنگ میل تھا'' اور یہ کہ ''جس نصب العین کی حصول کی خاطر نئی مملکت اپنی تمام طاقتوں کو وقف کرنے والی تھی' اس کو نہایت واضح طور پر معین کر دیا جائے'' صحیح نہیں ہے۔ تقریر کے بالکل آغاز میں اس سوچ کی نفی ہوتی ہے۔ قائدِ اعظم نے تقریر کی ابتداء میں دستور ساز اسمبلی کے وظائف (functions) واضح کیے، جو دو تھے --- دستور سازی اور آئندہ کے لیے قانون سازی --- پہلے کام کے بارے میں قائدِ اعظم نے ابتداء ہی میں واضح کر دیا کہ میں اس موقع پر کوئی سوچی سمجھی رائے نہیں دے سکتا۔ قائدِ اعظم کے اصل الفاظ یوں تھے:

> Dealing with our first function [دستور سازی] in this Assembly, I cannot make any **well considered** pronouncement at this moment . . . . .(11)

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تقریر کا متذکرہ بالا حصہ کوئی سوچی سمجھی اور لکھی ہوئی تقریر نہیں تھی بلکہ اس کی حیثیت رسمی کلمات سے زیادہ نہیں تھی۔ فاضل عدالت اسی رپورٹ میں یوں رقم طراز ہے:

> ''ہمارے سامنے یہ بار بار کہا گیا کہ پاکستان کے مطالبے میں ''مملکت اسلامی'' کا مطالبہ قطعاً شامل تھا۔ پاکستان کے لیے جدوجہد کرنے والے اہم لیڈروں کی بعض تقریروں سے بلاشبہ یہی مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے۔ یہ لیڈر جب مملکت اسلامی کا یا کسی ایسی مملکت کا نام لیتے تھے جس پر قوانین اسلامی کی حکومت ہوگی تو شاید ان کے ذہن میں کسی ایسے قانونی نظام کا تصور ہوگا جو اسلامی عقائد' اسلامی قانون شخصی' اسلامی اخلاقیات اور اسلامی ادارت پر مبنی ہو' یا اس سے مخلوط ہو۔ جس شخص نے بھی پاکستان میں ایک مذہبی مملکت کے قیام پر سنجیدگی سے غور کیا ہے' اسے ان عظیم مشکلات کا ضرور احساس ہوا ہے جو کسی ایسی اسکیم میں لازماً پیش آئیں گی۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر محمد اقبال نے بھی جو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کی ایک متحدہ مملکت کا تصور قائم کرنے والے اولین مفکر سمجھے جاتے ہیں' اپنے خطبہ صدارت (مسلم لیگ ۱۹۳۰ء) میں فرمایا ''ہندوؤں کو کسی قسم کا اندیشہ نہ ہونا چاہیے کہ خودمختار مسلم مملکتوں کی تخلیق کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسی مملکتوں میں کوئی مذہبی قسم کی حکومت قائم ہوگی۔ یہ اصول کہ ہر گروہ کو اپنے خطوط پر آزادانہ ترقی کا حق ہونا چاہیے، ہرگز کسی تنگ نظر فرقہ پرستی کی پیداوار نہیں ہو سکتا'' (۱۲)

یہ اقتباس اس سوچ کی نمائندگی کرتے ہیں جو پاکستان کو ایک لادین ریاست دیکھنے کی خواہشمند ہے۔

اس کے برعکس پاکستان کو ایک جدید اسلامی جمہوری مملکت دیکھنے کے خواہشمند اصحاب فکر کی بڑی تعداد اس تقریر کی تشریح اپنے انداز میں کرتی ہے۔ بدقسمتی سے دونوں طرح کے اصحاب فکر قائدِ اعظم کی اس تقریر کے اس متذکرہ بالا ٹکڑے کے متنی تجزیے پر اپنا زور بیان صرف کرتے ہیں اور جس سیاق اور پس منظر میں یہ تقریر کی گئی ہے، اسے یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح کی یہ تقریر دستور ساز اسمبلی کے اقلیتی ارکان کے ان خدشات کے جواب میں تھی کہ نئی ریاست میں مذہب کی بنیاد پر غیر مسلم اقلیتوں سے امتیاز برتا جائے گا۔ اس کے ذریعے قائدِ اعظم نے اقلیتوں کو مذہبی رواداری کا پیغام دیا۔ مذہبی رواداری کی حد تک بلاشبہ یہ ایک ایسی پالیسی تقریر تھی جس پر کسی بھی اسلامی مملکت میں اختلاف رائے کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اس تقریر کو ریاستی امور کی نسبت سے پالیسی تقریر کی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ مذکورہ بالا دونوں مکاتب فکر جس چیز کو محور بناتے ہیں وہ بڑی حد تک اخباری علم کے ایک حصے پر مشتمل ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ دیکھا جانا اہم ہے کہ یہ تقریر کس موقع پر ہوئی اور اس وقت کے ملکی حالات کیا تھے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے ان ابتدائی دو ایام کی کارروائی کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیا جائے جس سے اس تصور کی نفی ہوتی ہے کہ یہ دستوری کارروائی کے لیے مخصوص ایام تھے اور یہ کہ یہی دو دن بشمول متذکرہ بالا تقریر پاکستان کی دستور سازی کی بنیاد ہیں۔

دستور ساز اسمبلی کا افتتاحی اجلاس:

۱۰ اگست ۱۹۴۷ء کو دستور ساز اسمبلی کا اجلاس اسمبلی چیمبر، کراچی میں شروع ہوا۔ شیڈولڈ کاسٹ کے نمائندے جناب جوگندر ناتھ منڈل کے متعلق جناب لیاقت علی خاں نے تجویز کیا کہ عارضی طور پر ان کا انتخاب دستور یہ کے چیئرمین کے طور پر کر لیا جائے۔ یہ تجویز بغیر اختلاف رائے کے قبول کر لی گئی۔ اسی انداز میں خواجہ ناظم الدین کا انتخاب ڈپٹی چیئرمین کے طور پر ہوا (۱۳)۔

۷۲ ارکان اسمبلی میں سے ۵۲ حاضر تھے۔ پہلے دن کی کارروائی کا بڑا حصہ ارکان کی رسمی حاضری کی نذر رہا۔ قائدِ اعظم نے سب سے پہلے دستخط کیے۔ ہال کی پہلی صف میں جناب کرن شنکر راؤ اور لالہ بھیم سین سچار نے اپنی اپنی نشستیں سنبھالیں (۱۴)۔ کل ایوان کے ۷۲ ارکان میں سے ۵۲ مسلم ارکان تھے۔ باقی ۲۰ میں سے ۱۸ ہندو اور ۲ ارکان سکھ تھے۔ اس طرح اقلیتی ارکان اسمبلی کا فی صد تناسب ۲۸ فی صد کے قریب تھا۔ کانگریس پارٹی کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے مسلمان ارکان کو بھی متحدہ قومیت والی سوچ میں ڈالا جائے تو جداگانہ مسلم قومیت والے ارکان کا فی صد تناسب اور بھی کم ہو جاتا ہے۔ خالص اقلیتی ارکان ہی کی تعداد متحدہ پاکستان کی مجموعی آبادی میں ان کے تناسب سے کہیں زیادہ تھی۔ ہر رکن نے انفرادی طور پر دستخط کیے اور یوں پہلا دن اس رسمی کارروائی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

دستور یہ میں قائدِ اعظم کی رسمی تقریر:

اگلے دن ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو اسمبلی کا اجلاس جناب جوگندر ناتھ منڈل کی زیر صدارت شروع ہوا۔ جب تک اس پورے

دن کی کارروائی کا تفصیلی اور مکمل جائزہ نہ لیا جائے اور قائدِ اعظم کی تقریر سے قبل کی تقریروں پر نظر نہ دوڑائی جائے' قائدِ اعظم کی تقریر کا سمجھنا ممکن ہی نہیں۔

مذکورہ دن سب سے پہلے ان بقیہ ارکان اسمبلی نے جو گزشتہ دن حاضر نہیں ہوتے تھے' حاضری لگائی۔ چیئرمین نے ایوان کو بتایا کہ سات مسلمان ارکان اسمبلی نے قائدِ اعظم کا نام بطور صدر دستوریہ کے تجویز کیا ہے۔ مزید سات مسلم ارکان اسمبلی اس تجویز کے تائید کنندہ تھے۔ اس منصب کے لیے کسی اور شخص کا نام نہیں تھا' اس لیے قائدِ اعظم دستور ساز اسمبلی کے صدر منتخب ہو گئے جس پر انہوں نے لیاقت علی خاں کی معیت میں کرسی صدارت سنبھالی۔ جناب لیاقت علی خاں نے مختصر الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے انہیں صحیح معنوں میں معمار پاکستان قرار دیا۔ ان کا خطاب دو تین منٹ پر مشتمل تھا۔ پھر مشرقی پاکستان سے کانگریس پارٹی کی نمائندگی وہاں کے ہندو رکن اسمبلی جناب کرن شنکر راؤ نے کی۔ صدر ایوان کی اجازت سے انہوں نے قائدِ اعظم کو صدر دستور ساز اسمبلی کا منصب سنبھالنے پر مبارک باد دی۔ چند ابتدائی رسمی کلمات کے بعد کرن شنکر راؤ نے کہا:

''جناب جہاں تک ہمارا [کانگریس پارٹی کا] تعلق ہے تو اگر تو آپ کے ذہن پاکستان کا معنی ایک سیکولر جمہوری ریاست ہے کہ جس میں ایک شہری کا دوسرے سے کوئی امتیاز نہ ہو اور جو سب کے امور، بلا امتیاز ذات (caste) عقیدہ (creed) یا برادری (community) نمٹائے' تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو ہمارا بھرپور تعاون حاصل ہوگا۔

..... میں بہت مختصراً اس پالیسی کے متعلق بھی کہنا چاہوں گا جو کانگریس پارٹی کے ارکان اس ہاؤس میں اختیار کریں گے۔ صاف سی بات تو یہ ہے کہ ہم خوش نہیں ہیں۔ ہم اس وجہ سے ناخوش ہیں کہ ہندوستان کا بٹوارا ہو گیا' ہم اس وجہ سے ناخوش ہیں کہ پنجاب تقسیم ہو گیا۔ ہم اس وجہ سے بھی ناخوش ہیں کہ بنگال کے ٹکڑے ہو گئے۔ لیکن چونکہ دو عظیم جماعتیں ان انتظامات پر متفق ہو چکی ہیں' اس لیے ہم صدق دل سے انہیں قبول کرتے ہیں اور صدق دل سے اس کے لیے کام کریں گے۔ اس کے تمام نتائج و عواقب کے ساتھ ہم پاکستان کی شہریت قبول کرتے ہیں۔ ہم تمام مشکلات اور خطرات میں شراکت چاہتے ہیں اور اس نوزائیدہ مملکت کی تشکیل پر یقیناً مشکلات اور خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں کہتا ہوں کہ ہم تمام مشکلات اور خطرات میں اشتراک کریں گے کیونکہ ہم اس خوشحالی اور مسرت میں اشتراک کی امید کرتے ہیں جو اس نوزائیدہ مملکت میں ہمارے باہمی اشتراک سے وجود میں آئے گی اور اس کے بدلے میں' جناب' اقلیتوں کے ان حقوق اور استحقاقات کی توقع کریں گے جن کی ضمانت دستور میں دی گئی ہے' نہ صرف دستور میں ضمانت دی گئی ہے بلکہ روزمرہ حکومتی امور میں بھی ان کا احترام کیا جاتا ہے۔ جب میں یہ

کہتا ہوں' تو جناب' میں یہ بھی مانتا ہوں کہ محض دستوری ضمانت کافی نہیں ہے۔ گزشتہ شام آپ نے بجا طور پر فرمایا تھا کہ باہمی اعتماد' باہمی یقین اور باہمی تعاون مطلوب و مقصود ہے۔ میں ایک دفعہ پھر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہماری طرف سے اعتماد اور تعاون میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ جناب عالی آپ مسلمانوں کے ایک عظیم راہنما رہے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ آپ اس مملکت کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیں جس میں نہ صرف مسلمان شامل ہیں بلکہ ہندو اور دوسری برادریاں بھی ہیں۔ ہم آپ کو اس قیادت کی دعوت دیتے ہیں۔ اور ہم آپ سے تعاون کرنے میں ناکام نہیں ہوں گے۔ جب تاریخ آپ کے کیریئر پر اپنا حتمی فیصلہ سنائے گی تو مجھے امید ہے' وہ اس بات کا خیال بھی رکھے گی کہ آپ ایک عظیم برادری کے عظیم راہنما نہیں تھے بلکہ آپ اس عظیم مملکت کے تمام باشندوں کے راہنما تھے جسے وہ خود وجود میں لائے تھے'' (۱۵)

یہ خطاب دو تین منٹ سے زیادہ کا نہیں تھا۔ سندھ کی نمائندگی کرتے ہوئے مسلم رکن دستوریہ جناب محمد ایوب کھوڑو نے اپنے خیالات کا اظہار نہایت مختصر الفاظ میں کیا۔ ان کا خطاب بھی دو تین منٹ پر محیط تھا۔ انہوں نے قائدِ اعظم کو بالاتفاق صدر دستوریہ منتخب ہونے پر مبارکباد پیش کرنے کے ساتھ ان سے اپنے دس سالہ سیاسی تعلق کا ذکر بھی کیا۔ آخر میں انہوں نے قائدِ اعظم کو ''مسلم ریپبلک آف پاکستان'' کا راہنما قرار دیا۔ جناب کھوڑو کی تقریر قائدِ اعظم کے لیے کلمات تحسین کے قدرے مختلف انداز پر مبنی تھی۔

مشرقی بنگال کی عام نشست پر منتخب ہونے والے رکن دستوریہ جناب جوگندر ناتھ منڈل نے بقول ان کے آٹھ ملین شیڈولڈ کاسٹ آبادی کی نمائندگی کرتے ہوئے قائدِ اعظم کو مبارکباد پیش کی۔ انہوں نے کہا:

''جناب جیسا کہ آپ کو بخوبی علم ہے کہ میں پاکستان کے ایک بڑے حصہ آبادی کی نمائندگی کر رہا ہوں' ایک ایسے حصہ آبادی کی جو ہر اعتبار سے پسماندہ ہیں' جو سیاسی' معاشی اور سماجی لحاظ سے پسماندہ ہیں۔ اگرچہ ان کی خدمت کے لیے میں بہترین انداز میں کوشش کرتا رہا ہوں اور ان کا معاشی' سیاسی' اور سماجی رتبہ بلند کرنے کے لیے میں اپنی بھرپور کوشش کر رہا ہوں' اس کے باوجود میں اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ میں اپنا مشن جاری رکھ سکوں۔ اور ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ نے ہمیشہ مجھے پاکستان کے ان آٹھ ملین شیڈولڈ کاسٹ کی طرف سے اکیلے ہی آواز بلند کرتے دیکھا ہوگا۔ اگر آپ مجھے براہ کرم اجازت دیں تو میں کوشش کروں گا کہ ان کے ساتھ دوسری چھوٹی چھوٹی اقلیتیں بھی آواز بلند کریں۔ اگرچہ میں اتنی طاقت اور اہلیت رکھتا ہوں کہ ان کی نمائندگی اس انداز میں کروں جو اس ایوان کے تمام حلقوں کی سنجیدہ

سوچ اپنی جانب مبذول کرائے لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کی بلند ظرفی اور عالی حوصلگی، سنجیدگی اور اخلاص اس امر کی اہمیت محسوس کرے گا جس کی مدد سے میں ان کے معاملات میں نمائندگی کی کوشش کروں گا۔ مجھے احساس ہے کہ میری آواز، اگرچہ ناتواں ہی سہی، آپ کے مہربان دل میں رحمدلی پیدا کرنے میں اور اس ایوان کے تمام حلقوں سے تعلق رکھنے والے ارکان کے دلوں میں دوستی اور تعاون کی روح بیدار کرنے میں ناکام نہیں ہوگی'' (۱۶)

اپنے لیے کچھ دعائیہ کلمات اور گورنر جنرل آف پاکستان کو شیڈولڈ کاسٹ آبادی کے اخلاص کی یقین دہانی کرانے کے بعد انہوں نے موضوع سخن یوں جاری رکھا:

''جب تک آپ کے پیارے پاکستان کے پسماندہ حصے کے لوگوں کو اوپر نہیں اٹھایا جاتا، اس وقت تک مملکت پاکستان خوشحالی، پرمسرت اور پرامن نہیں ہوسکتی..... اگرچہ میرے لوگ تعلیم میں پیچھے ہیں، اگرچہ وہ سماجی اور معاشی لحاظ سے پسماندہ ہیں لیکن وہ اپنے اخلاص اور خدمت گزاری میں پسماندہ نہیں ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان کے لاکھوں شیڈولڈ کاسٹ باشندوں کی خدمات ہمیشہ آپ کی صوابدید پر رہیں گی'' (۱۷)

جناب منڈل کی اس تین چار منٹ کی تقریر کے بعد قائدِ اعظم محمد علی جناح کا صدارتی خطاب تھا۔ مذکورہ بالا چار تقاریر میں سے دو تقاریر غیر مسلم ارکان کی تھیں۔

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک ایسے ماحول میں جہاں غیر مسلم ارکان مملکت پاکستان کے لیے اپنے خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کررہے ہوں، مملکت سے اپنی مکمل وفاداری ظاہر کررہے ہوں، وہاں یقیناً حکومت سے ان کی کچھ توقعات ہوئی ہوں گی، ان کی خواہشات کے خلاف ملک تقسیم ہو چکا تھا، ان کے ذہن خدشات سے معمور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قائدِ اعظم کی تقریر کا بڑا حصہ اقلیتوں کے خدشات رفع کرنے میں گزر گیا۔ حالانکہ قائدِ اعظم کی اصل تقریر کا موضوع یہ نہیں تھا۔ جس چیز پر انھوں نے زور دیا، وہ بدعنوانی کی بیخ کنی تھی اور یہی اخبارات کی رپورٹنگ تھی۔ اگلے دن پاکستان ٹائمز کے صفحہ اول کی مکمل صفحہ پر محیط پانچ کالمی شہ سرخی ان جملوں پر مشتمل تھی ترجمہ:

جناح کا عوام کی فلاح پر توجہ دینے پر زور
سیاست میں ہندو مسلم تفریق کے خاتمے کی امید
مملکت پاکستان کے تمام شہریوں کے لیے مساوی حقوق (۱۸)۔

قائدِ اعظم نے اپنی تقریر کی ابتداء میں قیام پاکستان جیسے حیرت انگیز واقعہ پر گفتگو کی۔ اس کے ساتھ انھوں نے ابتداء ہی میں یہ واضح کر دیا کہ اس موقع پر میں کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتا جس پر میں نے پہلے سے سوچ بچار کر رکھی ہو۔ اور حقیقتاً بھی ایسے ہی تھا۔ قائدِ اعظم کی یہ تقریر فوری اور فی البدیہہ تھی۔ یہ لکھی ہوئی نہیں تھی۔ جس کا ایک اور بڑا ثبوت تقریر کرتے ہوئے قائدِ اعظم کی وہ تصویر ہے جس میں قائدِ اعظم اپنا چشمہ ہاتھ میں لیے ہاتھوں کے اشارے سے تقریر کر رہے تھے۔ ان کی نظر سامنے ہے اور چشمہ ہاتھ میں ہے (۱۹)۔

قائدِ اعظم نے ارکان اسمبلی کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے ہوئے کہا کہ حکومت کی سب سے پہلی ذمہ داری قیام امن ہے۔ مملکت کے باشندوں کی جان، مال اور مذہبی عقائد کا مکمل تحفظ ہو۔ ان کے خیال میں دوسری اہم چیز جس پر توجہ کی ضرورت ہے، رشوت ستانی اور بدعنوانی کی لعنت ہے۔ یہ وہ لعنت ہے جس میں پورا ہندوستان گرفتار ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ بلیک مارکیٹنگ ایک اور بڑی لعنت ہے۔ اس کے مرتکبین اکثر پکڑے جاتے ہیں، انہیں سزا بھی ملتی ہے۔ ان پر جرمانہ بھی عائد کیا جاتا ہے۔ لیکن ان کے باوجود آپ حضرات کو اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح انہوں نے اقربا پروری اور اس طرح کی دیگر سماجی برائیوں کی طرف بھی توجہ دلائی۔ یہ وہ بنیادی باتیں تھیں جو وہ خود اپنے ذہن میں لے کر آئے تھے۔ گزشتہ تقریروں کے حوالے سے انہوں نے تقسیم بنگال اور پنجاب کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اب جب اس عمل کا فیصلہ ہو چکا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے قبول نہ کیا جائے۔ تاہم اس کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ انہوں نے غرباء کی حالت زار درست کرنے پر زور دیا۔ آخر میں انہوں نے اقلیتوں کے خدشات رفع کرتے ہوئے وہ باتیں کیں جن پر مبنی متذکرہ بالا اقتباس شروع میں دیا جا چکا ہے (۲۰)۔

اسمبلی کے اندر کا یہ وہ ماحول تھا جس کی منظر کشی گزشتہ سطور میں کی گئی ہے۔ اس ماحول کا تعلق نہ تو ریاستی دستوری امور نمٹانے سے تھا اور نہ اس ماحول میں کوئی پالیسی امور طے کرنا تھے۔ پارلیمانی روایات کا تقاضا تھا کہ اس دن روزمرہ امور نمٹائے جائیں اور ایسے ہی کیا گیا۔ جو لوگ دستور ساز اسمبلی کے اندر ان ابتدائی دو ایام کی کارروائی میں سے قائدِ اعظم کی تقریر کو مملکتی پالیسی کا سنگ میل قرار دیتے ہیں، گمان غالب ہے کہ اس کی وجہ ان کی افتادِ طبع اور پختہ سوچ رہی ہوگی نہ کہ اسمبلی کی یہ کارروائی۔ اقلیتوں کے خدشات سے معمور ماقبل کی ان تقاریر کے جواب میں یہی کچھ کہا جا سکتا تھا جو ایک عظیم راہنما کے شایان شان تھا۔ ریاستی اور حکومتی امور میں دھمکانے والا لب ولہجہ اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب مخاطب سرحد پار کا کوئی فرد ہو۔ جب اپنی آبادی کے افراد سامنے مخاطبین میں سے ہوں تو ان کی دلجوئی اور تالیف قلب ہی کی جاتی ہے جس کا حق قائدِ اعظم نے خوب ادا کیا۔

فسادات پنجاب اور مہاجرین کا قتل عام:

دوسری طرف اسمبلی کے باہر بے حد خوفناک صورت حال دکھائی دیتی ہے۔ مشرقی پنجاب میں قتل وغارت کے جو مناظر

دیکھنے میں آئے اور لاکھوں افراد پر مشتمل انتقال آبادی کا جو عمل اس وقت ہو رہا تھا' اس میں ذرا جنبش لب سے پاکستان میں بھی قتل وغارت شروع ہوسکتا تھا جو اسلام کی سنہری روایات کے منافی ہوتا۔ تقسیم ہند کا اعلان ہوتے ہی ملک بھر میں مذہبی بنیادوں پر قتل عام شروع ہوگیا۔ پاکستان کے حصے میں آنے والے علاقوں میں غیر مسلم آبادی نسبتاً کم تھی لیکن ہندوستانی حدود میں مسلمان بڑی تعداد میں تھے۔ تقسیم کا اعلان سنتے ہی مسلمانوں میں اپنے گھر' کاروبار اور تمام معاملات چھوڑ کر فوراً پاکستان آنے کو ترجیح دی۔ یہ کام آسانی سے نہیں ہوا۔ تقسیم ہند کے دشمن حلقوں نے ان مسلمان مہاجرین سے پاکستان بننے کا انتقام خوب لیا۔ پاکستان میں بھی اس کا تھوڑا بہت ردعمل ظاہر ہوا۔ اگر اکابر پاکستان میں سے کوئی معمولی سی لغزشِ زبان کا شکار ہو جاتا تو انسانی آبادی کا قتل عام دوچند ہو جاتا۔ جب منڈل صاحب کو عارضی قائدِ ایوان چنا جا رہا تھا' عین اسی دن لاہور میں کرفیو نافذ تھا (۲۱)۔ یہ احتیاطی تدابیر کے باعث تھا تاکہ لوگ آنے والے مہاجرین کی حالتِ زار سے مشتعل ہو کر کہیں مقامی غیر مسلم آبادی پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔

ادھر دستور ساز اسمبلی کی حیثیت کسی حد تک غیر نمائندہ تھی۔ یہ اسمبلی تقسیم ہند سے ذرا قبل کے انتخابات کا نتیجہ تھی جو متحدہ ہندوستان میں منعقد ہوئے تھے۔ تقسیم کے بعد انتقال آبادی اور دیگر اسباب کے باعث وہ حالات یکسر بدل گئے جن میں یہ انتخابات منعقد ہوئے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ان اقلیتی ارکانِ اسمبلی کا ایوان میں بیٹھنا محل نظر تھا جو اقلیتی رائے دہندگان کے ذریعے منتخب ہوئے تھے اور جن کے رائے دہندگان یا تو ہندوستان ہجرت کر چکے تھے اور یا ہجرت کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اگر انتقال آبادی کے بعد فوراً نئے انتخابات ہو جاتے تو ۷۲ میں سے ۲۰ غیر مسلم ارکان منتخب نہ ہو پاتے لیکن کوئی اور فوری حل نہ ہونے کی وجہ سے دیگر اثاثوں کی طرح اسمبلی کا بھی بٹوارا عمل میں آیا اور پاکستان کے حصے میں یہ غیر نمائندہ افراد بھی آ گئے جس کے خدشات رفع کرنے کے لیے قائدِ اعظم نے مذکورہ بالا الفاظ پر مبنی تقریر کی۔

رموزِ سلطنت، اسلامی تعلیمات اور زیرِ نظر بحث:

قائدِ اعظم کی اس تقریر کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فی البدیہہ اور فوری اظہار کے لیے کی جانے والی یہ تقریر انتہائی محتاط اور نپے تلے الفاظ پر مشتمل تھی۔ اس تقریر میں ایک سیاست دان کا لب ولہجہ نظر آتا ہے جو سطح بین افراد کے نزدیک قائدِ اعظم کی گزشتہ تمام تقاریر' خطوط اور قول وقرار سے بظاہر انحراف تھا جو یقیناً قائدِ اعظم کے مرتبے کے مطابق نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسمبلی کی یہ کارروائی اخبارات میں شائع ہونے پر کوئی ایسا تہلکہ مچتا نظر نہ آیا جس سے کہا جا سکتا کہ قائدِ اعظم اپنے گزشتہ اصولوں سے پھر گئے۔ یہ تو بعد کے سطح بین اور مخصوص سوچ رکھنے والے افراد کی فکر تھی جس نے اس تقریر کو متنازع فیہ بنانے کی کوشش کی۔ دوسری طرف اس تقریر میں استعمال کیے گئے الفاظ کا جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک لفظ قانون کی میزان پر پرکھا جا چکا ہے' حالانکہ یہ تقریر فی البدیہہ تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قائدِ اعظم کے افکار ونظریات کس قدر صاف اور واضح

تھے۔ان کی فکر کسی کجی کی طرف مائل نہیں تھی۔ایک طرف جب فسادات' نوزائیدہ مملکت کے مسائل' اقلیتوں کے خدشات اوران کا وجود' جیسے حقائق سامنے کھڑے تھے تو اس حال میں بھی قائدِ اعظم نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے ان کے گزشتہ سیاسی نظریات کی نفی ہوتی ہو۔

قائدِ اعظم کی تقریر کے وہ نکات جنہیں متنازعہ بنانے کی کوشش کی جاتی رہی' ان الفاظ میں بیان کیے جاسکتے ہیں۔

۱۔ ماضی' رنگ' عقیدے اور ذات سے قطع نظر مملکت پاکستان میں تمام شہریوں کے حقوق بالکل مساوی ہیں۔

۲۔ تمام شہری اپنی مساجد' اپنے مندروں یا کسی بھی عبادت گاہ میں جانے میں بالکل آزاد ہیں۔

۳۔ مذہب' ذات اور عقیدے کا تعلق ریاستی امور سے نہیں ہے۔

۴۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ہندو مسلم کی تفریق نہیں رہے گی۔مذہبی معنوں میں تو وہ الگ الگ ہو سکتے ہیں لیکن سیاسی معنوں میں یہ سب ایک ہو جائیں گے۔

ان چاروں نکات پر کسی بھی زاویے سے غور کیا جائے' اسلامی نظریے کی بطور مملکتی پالیسی کے کہیں بھی نفی نہیں ہوتی۔ فقہائے متقدمین کی تحریریں دیکھی جائیں' یا متاخرین کی یا عہدِ حاضر کے مسلم اصحابِ فکر کے نظریات سامنے رکھے جائیں' معلوم ہوتا ہے کہ قائدِ اعظم نہ تو اپنے نظریات سے دست بردار ہوئے اور نہ اقلیتوں کو ان حقوق سے کچھ بڑھ کر دیا جو صاحب بدائع الصنائع 'کاسانی یا صاحب بداية المجتهد' ابن رشد کی تحریروں سے نہیں ملتا۔عہد حاضر میں کسی مسلم صاحب فکر نے کبھی اس بات سے انکار نہیں کیا کہ ریاست کی نظر میں تمام شہری مساوی حیثیت کے حامل ہیں۔دستورِ پاکستان ۱۹۷۳ء میں بھی شہریوں کے بنیادی حقوق کی تفصیل دی گئی ہے جس کے مطابق تمام شہریوں کو بلا امتیازِ جان' مال' آزادی' آبرو' خلوت' نقل وحرکت' اجتماع' انجمن سازی' کاروبار' اظہار اور عقیدہ اختیار کرنے اور مذہبی ادارے قائم کرنے کے حقوق حاصل ہیں۔انہیں غیر قانونی گرفتاری سے تحفظ' سزا موثر بہ ماضی سے تحفظ' دہری سزا سے تحفظ' کسی دوسرے مذہب کے لیے عائد ٹیکس سے تحفظ' کسی دوسری مذہبی تقریب یا ادارے میں شرکت سے تحفظ کے حقوق بھی حاصل ہیں۔یہ سب وہ حقوق ہیں جو ریاست کے تمام شہریوں کے لیے بلا امتیاز ہوتے ہیں اور اسلام بھی ان سب کا اہتمام کرتا ہے (۲۲)۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب ''اسلامی ریاست'' میں انسان کے بنیادی حقوق کے نام سے ایک مستقل باب باندھا گیا ہے۔ان کے خیال میں ہر انسان کے کچھ بنیادی حقوق ہوتے ہیں جن کا کسی مذہب وملت سے واسطہ نہیں ہوتا۔یہ حقوق جان' مال' آزادی' آبرو' معیشت' عدل' مساوات' معصیت سے اجتناب' خلوت' ظلم کے خلاف احتجاج' اظہار اعتقاد' مذہبی دلآزاری سے تحفظ اور اجتماع کا حق ہیں (۲۳)۔

کسی اسلامی ریاست میں کسی غیر مسلم آبادی کو اس کے مذہبی شعائر سے کبھی نہیں روکا گیا۔ان کا معبد کنیسہ ہو یا صومعہ'

مندر ہو یا گردوارہ' ان سب کا تحفظ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ کاسانی کے خیال میں اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو ان کی اپنی آبادیوں میں اپنے تمام مذہبی شعائر کی آزادی کا حق حاصل ہوتا ہے (۲۴)۔ ان کے شخصی معاملات خود ان کے شخصی قانون (Personal law) کے تحت نمٹائے جاتے ہیں۔ قرآن میں آتا ہے:

﴿وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ﴾ (۲۵)

''اور چاہیے کہ اہل انجیل اس کے مطابق فیصلے کریں جو کچھ اللہ نے اس میں اتارا۔''

یہ حکم صرف اہل انجیل ہی کے لیے نہیں بلکہ یہ حکم عام ہے، یعنی اسلامی مملکت کے تمام غیر مسلموں کے شخصی معاملات خود ان کے اپنے شخصی قانون ہی کے مطابق نمٹائے جاتے ہیں۔

جہاں تک تیسرے نکتے کا تعلق ہے کہ مذہب' ذات اور عقیدے کا تعلق ریاستی امور سے نہیں ہے تو یہ بات اسلامی سیاسیات میں بالکل واضح ہے کہ غیر مسلموں کے شخصی معاملات خود ان کے اپنے شخصی قانون کے تحت نمٹائے جاتے ہیں۔ یہی بات قائدِ اعظم نے مختصراً کہی تھی۔ رہا یہ سوال کہ کیا مسلمانوں کی اس نوزائیدہ مملکت کی کوئی اپنی سوچی سمجھی پالیسی بھی ہوگی یا نہیں تو اس کے لیے قائدِ اعظم کی ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء سے قبل اور بعد کی کئی گفتگوئیں' تقریریں' تحریریں اور خطوط دیکھے جا سکتے ہیں جن میں قائدِ اعظم نے ہمیشہ اسلامی اصولوں کو ریاستی پالیسی کے طور پر اپنانے کا وعدہ کیا۔

یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ ریاستی امور مسلم غیر مسلم دونوں کی باہمی مشاورت سے چلائے جائیں گے تو بھی اسلامی اصولوں کو بطور پالیسی کے اختیار کرنے کی نفی نہیں ہوتی۔ مملکت کا اقتصادی نظام بلاسود بینک کاری کے ذریعے چلایا جائے تو جمہوری اصولوں کے تحت مسلم اکثریت کے اس ملک میں بلاسود بینک کاری کے حق میں یقیناً تمام مسلمانوں کی رائے ہوگی اور جمہوری اصولوں ہی کے تحت غیر مسلموں کو یہ اصول بلا تامل مان لینا چاہیے۔ ملک میں زکوٰۃ کا نظام قائم کیا جائے تو یہ عین جمہوری اصولوں کے مطابق ہوگا۔ دنیا کے کسی حصے میں ایسا کوئی دینی لادینی نظام رائج نہیں ہے جہاں اکثریت اپنے کسی بنیادی اصول کو اس بنیاد پر ترک کرنے پر آمادہ ہو جائے کہ اس ملک کی معمولی اقلیت کو یہ اصول پسند نہیں ہے اور جبکہ اس اصول سے اس اقلیت پر معمولی اثر بھی نہ پڑتا ہو۔

مسلمان اپنی مملکت میں مساجد کا نظام حکومتی سطح پر یوں وضع کریں کہ اقلیتوں کے کسی بنیادی حق پر زد نہ پڑتی ہو' ان کی جان مال اور آبرو کے تحفظ کا خیال کرتے ہوئے نظامِ مساجد مسلمان خود اپنے لیے تیار کریں، غیر مسلموں کو کوئی ٹیکس نہ دینا پڑے' ان کے معمولات میں خلل نہ پڑتا ہو' اس کے باوجود یہ کہنا کہ چونکہ اس کا تعلق ریاستی امور سے نہیں ہے اور چونکہ مساجد کی تعمیر غیر مسلموں کو ناپسند ہے' لہٰذا حکومتی سطح پر یہ کام نہیں ہو سکتا تو جدید مغربی ریاستی نظام کا تھوڑا سا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں مذہبی امور سے لاتعلق ہوتے ہوئے ریاست مختلف مذاہب کی جملہ ضروریات یوں پوری کرتی ہے کہ دوسروں کے حقوق متاثر

نہیں ہوتے۔ قائدِ اعظم کا منشا اس سے زیادہ ہرگز نہیں تھا۔

قائدِ اعظم کو قائد ایوان تجویز کرنے والوں میں مولانا شبیر احمد عثمانی کا نام بھی تھا۔ وہ زندگی بھر قائدِ اعظم کے ویسے ہی رفیق کار رہے جیسے تحریک پاکستان کے دنوں میں تھے۔ بعد میں وہ حکومت کے قائم کردہ ''تعلیمات اسلامیہ کے بورڈ'' میں بھی شامل رہے۔ اس تقریر کے وقت وہ بھی ایوان میں موجود تھے۔ نہ تو انہوں نے اس تقریر کے مندرجات سے اختلاف کیا' نہ رکن اسمبلی کا استحقاق استعمال کرتے ہوئے اپنی رائے ریکارڈ کرانا ضروری سمجھا اور نہ بعد میں ان کی طرف سے کوئی بیان بازی ہوئی۔ گویا ایوان کے ماحول کے عین مطابق یہ معمول کی رسمی کارروائی تھی جس کا اولاً تو مملکتی پالیسی سے معمولی سا تعلق بھی نہ تھا۔ جو کچھ ہوا وہ باہمی اظہارِ جذباتِ خیر سگالی تھا۔

خلاصہ کلام:

قائداعظم پاکستان کو وہ اسلام کے لیے ایک ایسی تجربہ گاہ بنانا چاہتے تھے جو برصغیر کے مسلمانوں ہی کے لیے نہیں' آگے چل کر دنیا کے دوسرے لوگوں کے لیے بھی ایک مثالی ملک ہو۔ وہ بھانپ چکے تھے کہ عقل انسانی کے تجربات --- اشتراکیت اور سرمایہ داری --- اب ناکام ہونے کو ہیں اور یہی وقت آگے بڑھ کر کام کرنے کا ہے۔ چنانچہ قائدِ اعظم کے مذکورہ بالا کے افکار کے تجزیے کے بعد یہ بات بلاخوف تردید کہی جاتی ہے کہ تحریک پاکستان کے عمل میں --- اس کی ابتدا سے لے کر قیام پاکستان تک --- ان اکابر کے پیش نظر ایک ایسی سلطنت کا قیام تھا جس کا دستور حیات اسلام اور اسلامی تعلیمات کا عکاس ہو۔

حوالہ جات

۱۔ Sharif al- Mujahid:Ideological Foundations of Pakistan,Shariah Academy,International Islamic University, Islamabad, 1999, p.61

۲۔ Ibid, p. 79-80

۳۔ یہ بات پہلی بار ہیکٹر بولائتھ نے لکھی تھی۔ ملاحظہ ہو: In Quest of Jinnah; Diary Notes, and Correspondence of Hector Bolitho,Edited by, Sharif al Mujahid, Published by Oxford University Press, Karchi.2007,p:190.

۴۔ ہیکٹر بولائتھو نے یہ بات اس طرح نہیں لکھی بلکہ محولہ بالا کتاب کے مطابق وہاں قرآن کی آیت کا ترجمہ درج تھا۔ بعد میں قائدِ اعظم کے مداح اس میں مختلف تبدیلیاں کرتے رہے۔محولا بالا بیان ڈاکٹر محمود احمد غازی کی کتاب Studies in the Politicl and Constitutional Thought of Islam میں محمد عمر کی کتاب Rare Speeches of Mr. M. A. Jinnah کے حوالے سے ص ۲۵۲ پر ہے جو محل نظر ہے۔

۵۔ Speeches and Writings of Mr. M.A. Jinnah, Volume II,Sh. Muhammad Asharaf,Lahore.1976,p:463

۶۔ ایضاً

۷۔ شریف المجاہد، ایضاً، ص ۱۳۱

۸۔ شریف المجاہد، ایضاً، ص ۱۳۲

9. Constituent Assembly of Pakistan Debates, Sunday 10th August and Monday 11th Augsut 1947, Vol.I No.1 & 2 Published by the Manager of Publications, Government of Pakistan, Karachi, 1947, pp.18-20. ترجمہ از مقالہ نگار

۱۰۔ حکومت پنجاب کے سرکاری نشان (monogram) کے ساتھ انصاف پریس لاہور سے چھپنے والی ''رپورٹ تحقیقاتی عدالت (مقررہ کردہ زیر پنجاب ایکٹ ۲' ۱۹۵۴ء) برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء'' پر (س ن) ص ۲۱۶

۱۱۔ Constitutent Assembly Debate, ibid, p.18.

۱۲۔ رپورٹ تحقیقاتی عدالت، ایضاً ص ۲۱۴

13. Constitutent Assembly Debate, Vol.I, No.1, pp.1-10.

14. Daily Pakistan Times, Lahore Vol.I, No.141, dated 12th August 1947.

۱۵۔ یہ اور چند اگلے طویل اقتباسات مجبوراً دیئے جا رہے ہیں کہ طویل اقتباسات کسی مقالے میں کوئی مستحسن عمل نہیں ہے۔ لیکن زیرِ بحث موضوع پر گفتگو ممکن ہی نہیں جب تک ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو اسمبلی میں ہونے والی کارروائی کی منظر کشی نہ کی جائے۔ جبھی اس مشہور زمانہ تقریر کا تجزیہ ممکن ہے۔

۱۶، ۱۷۔ یہ تمام تقاریر دستور ساز اسمبلی میں مباحثوں کی رپورٹنگ سے لی گئی ہیں جس کا حوالہ قائداعظم کی تقریر کے ضمن میں دیا جا چکا ہے۔

18. Daily Pakistan Times, Lahore Vol.I, No.142, dated 13th August 1947.

19. Daily Pakistan Times, Lahore Vol.I, No.147, dated 21st August 1947.

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس زمانے میں عام طور پر اخبار میں اگلے ہی دن خبر نہیں' بلکہ ایک دن چھوڑ کر آتی تھی' اور تصویر تو کئی دن بعد چھپتی تھی۔

۲۰۔ گزشتہ تمام تقاریر دستور ساز اسمبلی میں مباحثوں کی رپورٹنگ سے لی گئی ہیں جس کا حوالہ قائداعظم کی تقریر کے ضمن میں دیا جا چکا ہے۔

21. Daily Pakistan Times, Lahore Vol.I, No.141, dated 12th August 1947.

۲۲۔ ملاحظہ ہو، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، حکومت پاکستان وزارت قانون، انصاف وانسانی حقوق، ۲۰۰۳ء، آرٹیکل ۸ تا ۲۸

۲۳۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، پندرویں اشاعت، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۵۴۷

۲۴۔ کاسانی، علاء الدین ابی بکر بن مسعود، بدائع الصنائع، ایچ ایم سعید کمپنی، کراتشی (۱۴۰۰ھ)، ج ۷، ص ۱۱۳-۱۱۵

۲۵۔ قرآن، ۵:۴۷